تحقیق مقاصد شریعت میں استقراء کا کردار

The Role of istiqra'a in finding maqasid-e-shariat

نوشابہ کھوکھر*

پروفیسر ڈاکٹر محی الدین ہاشمی**

ABSTRACT:

Istiqra is an important and famous technical terminology of seeking the Truth; most righteous meanings, usages and realities in different fields of knowledge. First of all this word was used in Aristotle books. With the passage of time, variety of meanings and explanations were given in its context by the Muslim and non-muslim scholar's .This article discusses the difference of meanings of this termin-ology in research methodology, logic, and Maqasid al-shariah. Istiqra is given importance in defining and understanding maqasi al- shariah by the renowned Andalusian muslim legal scholar shatibi(720-790 A.H/1320-1388 A.D). Maqasid-al-shariah is a new approach and an important field of usul-al-fiqh to correctly understand the intentions of Allah and the sayings of His Prophet Muhammad (pbuh) to answer and solve the new problems, arousing in everyday life as well as in every new era.

Key Words: Istiqra, Inductive method, Istikhraj, Istinbat, Deductive method.

استقراء (Induction)، منطق، اصول تحقیق اور اصول فقہ کی اہم اور مشہور اصطلاح ہے۔ عربی لغت میں استقراء کم و بیش تتبع، تفتیش اور تلاش کے معانی میں استعمال ہوتی ہے۔ المصباح المنیر میں لکھا ہے:"(اِستَقرَاءتُ) الأشیَاءَ: تَتَبّعتُ اَفرَادَھَا لِمَعرِفَۃِ اَحوَالِھَا وَخَوَاصِّھَا"۔[1] علمی دنیا میں لفظ استقراء کا معنٰی کوئی ایک مستقل معنی و مفہوم نہیں بلکہ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ مختلف علوم میں اس اصطلاح سے مختلف معانی مراد لیے گئے ہیں، چنانچہ منطق، اصول تحقیق اور اصول فقہ کی اصطلاح میں استقراء کے مفاہیم یکساں نہیں ہیں۔

سب سے پہلے استقراء کا تصور ارسطو(322-384ق م) کی تحریروں میں ملتا ہے۔[2] ارسطو تجرباتی سائنس کا مؤسس تھا اس کے ہاں مشاہدہ observation اور ناپنے measurement کی عملیات استقرائی طریقہ کار کی طرف راہنمائی کرتی ہیں تاہم اس کی تحریریں اس طریقہ کار کا کوئی منظم ڈھانچہ تشکیل نہیں دیتیں جسے سائنسی طریقہ کار قرار دیا جا سکے۔ ارسطو کے اصول منطق میں استقراء سے مراد فقط جزئیات کی پیروی سے ایک کلی نتیجے تک پہنچنا تھا۔ قدیم اصول منطق میں استقراء کے مفہوم کی کوتاہی و کجی کی جانب جان و کرز نے دلائی اور ایک مثال سے اس کا عیب بیان کیا ہے:

"All the swans have seen are white. Therefore we know that all swans are white."

اس کی تصحیح یوں کرنا ضروری ہے:

We expect that all swans are white.[3]

---

*Ph.D Scholar, Lecturer FG Postgraduate College for Girls, F-7/2, Islamabad.
Email: dr.nawaz@uog.edu.pk

** DEAN, Faculty of Arbic and Islamic Studies, Allama Iqbal Open University, Islamabad.

گویا کہ تمام مرغابیاں جو ہم دیکھ چکے ہیں اس بات کا حتمی نتیجہ فراہم نہیں کرتیں کہ دنیا بھر میں مرغابیاں سفید ہی ہوتی ہیں۔ اسی لیے کلی نتیجہ کسی حتمی بیان پر مشتمل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ کہنا درست ہو گا کہ ہماری توقع ہے کہ تمام مرغابیاں سفید ہیں۔

استقراء کو ایک باضابطہ عملِ تحقیق بنانے میں مسلمان علماء کا اہم کردار تاریخ کی ایک بڑی سچائی ہے۔ مستشرق گستاؤلی بیان نے اپنی کتاب" تمدن عرب "میں اس کا کھلے الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔[4] دسویں سے چودھویں صدی عیسویں کے مابین ابھرنے والے مسلم سائنسدانوں میں سے اہم نام حسن ابنِ ہیثم (430ھ / 1038م) کا ہے، جسے مشرق و مغرب میں سائنسی طریقہ کار کا بانی قرار دیا گیا۔ ابن ہیثم نے تحقیقات میں تجربہ اور مشاہدہ کو اپناتے ہوئے کتاب "المناظر" تحریر کی۔ اس کا یہ طریقہ کار جدید اصول منطق کی طرف راہنمائی کرتا تھا۔

راجر بیکن (1214-1284م) وہ پہلا فرانسیسی سکالر تھا، جس نے منطقی استدلال Logical Reasoning کو سائنسی طریقہ کار کا حصہ بنایا۔ اس کے نقش قدم پر چلتے ہوئے فرانسیز بیکن (1561-1626م) سائنسی طریقہ کار میں ایک قدم اور آگے بڑھایا۔ اس نے حواس خمسہ کے ذریعے ہونے والے محسوساتی تجربے کے طریقے کو دریافت کیا۔ اسے Empiricism کہتے ہیں۔ اس نے اسے منطقی استدلال کا حصہ بنا دیا۔ اس کے نزدیک علم وہی تھا جو ذاتی تجربہ سے دریافت ہو سکے۔ کیا اس میں خیال میں سائنسی طریقہ کار میں وحی یا ادراک کی جگہ نہ تھی؟ نہیں ایسا کہنا درست نہ ہو گا۔ دراصل وہ اپنی دریافت کو بائیبل کی پیشینگوئی جو آخری زمانے کے متعلق تھی، قرار دیتا تھا:

Many shall go to and fro,and knowledge shall be increased.(Dan 12:4)[5]

اسی زمانے میں ڈے کارٹ (1596-1650م) ، فرانسیسی عالم نے فرانسز بیکن کے طریقے میں جدت پیدا کرتے ہوئے مشاہدے و تجربے سے زیادہ منطق اور عقل پر انحصار کیا، اسے وجدان اور الہام پر بھی بھروسا تھا۔ اس کا طریقہ تحقیق قیاسی و استخراجی Deductive Method تھا۔ فرانسیز اور ڈیکارٹ کے طرق استدلال میں واضح فرق تھا۔ فرانسیز کا طریقہ Bottoms Up کہلاتا ہے، جب کہ ڈے کارٹ کا طریقہ Tops Down کہلاتا ہے۔ ڈے کارٹ کا میدان تحقیق الجبرا اور ریاضی تھا جب کہ فرانسیز کا میدان تحقیق قانون فطرت تھا۔ اس طرح ارسطو سے شروع ہونے والا یہ سلسلہ جدید دور میں پہنچتے ہوئے کئی ذیلی اصطلاحات، نظریات اور سلسلوں سے گزرتا ہوا ترقی کر کے موجودہ دور کا استقرائی طریق بنا۔ اصول تحقیق کے لوازم میں سے ایک اہم لازمہ استقرائی طریقہ تحقیق ہے اس طریقہ میں جزئیات کی تلاش کی جاتی ہے اور ان کے ذریعے نتائج کلیہ تک پہنچا جاتا ہے۔ تحقیق کے میدان میں جزئیات کی تلاش کرنا، ان کا معائنہ کر کے ان کو ان کے خاصیتوں اور حالتوں کے مطابق گروہ بندی کرنا، بعض جزئیات کو بعض دوسری جزئیات کے ساتھ ملا کر ایک نتیجہ کلیہ مرتب کرنا بہت اہم عمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تحقیق کے عمل میں استقراء یعنی Inductive Method کو بطور آلہ تحقیق استعمال کیا جاتا ہے۔

جدید دور کی تحقیق میں استقرائی طریقہ کار کا پہلا قدم مشاہدہ دوسرا قدم پیٹرن کی تلاش اور ان کی گنتی ہوتا ہے۔ اگلے قدم میں وقتی مفروضے بنانا ہوتے ہیں جن سے گزر کر نظریہ یا تھیوری کی تشکیل دینا ہوتی ہے۔ یہ ایک Bottoms up طریقہ تحقیق ہے یعنی جز سے کل کی طرف سفر کیا جاتا ہے۔[6] ارسطو کی رائے میں استقرائی طریقہ کار سے کلیات اور عمومیات کو پہچانا جا سکتا ہے تاہم یہ وجوہات کو پہچاننے کے لیے درست انتخاب نہیں بلکہ وجوہات کے لیے اس نے استنباطی طریق کو اختیار کیا۔

مسلم مفکرین اور استقراء:

مسلم مفکرین مین سے ابن سینا(980-1037م)اور غزالی(1058-1111م) نے ارسطو کی رائے کو اختیار کیا۔ ابن سینا کہتے ہیں کہ استقراء سے مراد ہے: "الحُکمُ عَلی کُلی بِمَا وَجَدَ فِي جُزئِيَاتِهِ الكَثِيرَة۔۔۔"[7] ان کے بیان میں جزئیات کثیرہ ایک اہم ہے، گویا کہ تمام جزئیات کی بات نہیں کہ بلکہ اکثر پر حکم لگایا ہے۔ اسی طرح غزالی نے استقراء کی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ استقراء سے مراد ہے: "أَن تَتَصَفَّحَ جُزئِيَاتٍ كَثِيرَةً دَاخلةً تَحتَ معنىً كُلِي، حَتى إِذَا وَجَدتَ حُكمًا فِي تِلكَ الجُزئِيَاتِ حُكِمَ عَلى ذلِكَ الكُلي لَهُ"[8]۔ اسی طرح سے گویا غزالی بھی ابن سینا کے ہمنوا بنے اور جزئیات کثیرۃ کی بات کر کے اکثر کا حکم کل پر لگایا۔ استقراء کا یہ تصور پروان چڑھا تو جان سٹوارٹ مِل(1806-1873م) نے استقراء کے نتیجے میں حاصل ہونے والے نتائج کو بھی معائنہ کرنے کی سوچ اپنائی یہ منطق حدیث کی رائے ہے۔

مِل کے استقرائی طریق میں قوانین کی دریافت مشاہدہ اور استقراء سے کی جاتی اور اس کے ساتھ ہی اسے حواس خمسہ کے تجربوں سے بھی جانچا جاتا۔[9] ولیم ڈونالڈ اور جان ڈیوی بھی اسی نظریے کے داعی ہیں۔ ان کے مطابق محض جزئیات کو جمع کر لینے سے کوئی عام حکم کشید نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کے لیے امتحان لینا بہت ضروری ہے کہ آیا واقعی وہ جزئیات اس وصف جامع کی طرف ہی دلالت کر رہی ہیں۔ چنانچہ جزئیات کے نتائج کو من وعن نہیں لیا جا سکتا بلکہ انہیں تجربے کے مرحلے سے بار بار گزارنا ہو گا تاکہ وہ محض ایک مفروضہ جو صحیح یا غلط ہو سکتا ہے سے بڑھ کر ایک حقیقت بن جائے۔ تحقیق کے اس طریقے کی ابتداء کرنے والا اصل میں مسلمان سائنسدان حسن ابن ہیثم تھا(430ھ-1038م)[10] جس نے اپنی کتاب "المناظر" میں اس منہج کی بنیاد رکھی۔ اپنی کتاب میں اس طریقہ کار کے حوالے سے وہ لکھتا ہے:

"ونبتدئ فی البحث باستقراء الموجودات، وتصفح احوال المبصرات، ونميزخواص الجزئيات، ونلتقط بالاستقراء ما يخص البصر فی حال الابصار وماهومطرد لا يتغير و ظاهر لا يشتبه من كيفية الاحساس، ثم نرق فی البحث والمقاييس علی التدريج و الترتيب، مع انتقادالمقدمات والتحفظ فی النتائج، و نجعل عرضنا فی جميع ما نستقرئه ونتصفحه استعماله العدل لا اتباع الهوی، ونتحری فی سائرما نميزه وننتقده طلب الحق لا الميل مع الآراء۔۔۔"[11]

ابن ہیثم وضاحت کرتا ہے کہ جزئیات کے تتبع سے فرضیات Hypotheses کا حصول ہوتا ہے لیکن آخری یا حتمی نتائج نہیں نکلتے، اگر ہم واقعتاً ایسے نتائج حاصل کرنا چاہتے ہیں جو کہ علمی طور پر قابل اعتماد ہوں تو پھر ہمیں اس تتبع کے نتیجے میں حاصل ہونے والے فرضیات کو بھی بار بار، متعدد تجربوں سے گزارنا ہو گا۔

علوم شریعت میں استقرائی طریقہ کار کا استعمال اور اس کی خصوصیات:

علوم شریعت میں منطق، تحقیق یا سائنس کی طرح استقراء کے یہ دونوں طریقہ کار کچھ زیادہ مؤثر نہیں ہیں۔ یہ دونوں طریقے قانون عامی طبیعی کی ضروریات ہیں۔ جب کہ شرعی معانی کی تلاش ادلہ تفصیلیہ (قرآن مجید، احادیث مبارکہ) کو نہ تو تجربوں کی ضرورت ہے اور نہ ہی اِختبار کی۔ علوم شریعت میں جزئیات کی دلالت واضح ہے، ہاں اگر کسی جگہ پر کئی تفسیری احتمالات آجائیں تب اِختبار نتیجہ خیز ہوتا ہے۔ علوم شریعت میں یہ اِختبار "السبر و التقسیم "[12] کے تحت ہوتا ہے۔

استقراء، مقاصد شریعت کی معرفت کے طرق میں سے ایک قوی ترین طریقہ ہے۔ اس میں نصوص[13] شرعیہ اور ان میں وارد احکام

کا تتبع کیا جاتا ہے، نتیجے میں ایک جہت معین ہو جاتی ہے۔ بار بار حاصل ہونے والی تاکید کے ذریعے مقصد شرعی کی پہچان ہوتی ہے۔ مقصد شرعی قرار دینے کے لیے، اس حوالے سے نص موجود ہو، یا نص صراحتاً موجود نہ ہو، اس کی پہچان استقراء سے کی جاتی ہے۔

منصوص علیہ کی پہچان:

مزابنۃ[14] کی مناہی میں جتنی نصوص وارد ہوئی ہیں ان سے، معاوضات میں اِبطال غرر[15] کا مقصد حاصل ہوا ہے۔ جیسا کہ روایت ہے کہ: نافع عن عبداللہ بن عمر ''ان رسول ﷺ نھی عن المزابنۃ ، والمزابنۃ بیع الثمر بالتمر کیلا، و بیع الکرم بالزبیب کیلا، و النھی عن بیع الجزاف بالمکیل''۔

فرض کریں کہ اس حوالے سے، مقصد ابطال غرر یا رفع حرج کو بالجزم بیان کرنے والی نصوص شرعیہ موجود نہ ہوں، پھر بھی نصوص شریعت کے تتبع سے ہمیں التاکید رفع حرج کے مقصد کا پتا چلتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تیمم کو شرعی حیثیت دی، نمازوں کو جمع کرنے اور سفر میں قصر کی رخصت دی، مریض کی نماز کی صفت بتائی، اور حیض اور نفاس کی حالت میں نماز کی ادائیگی رفع کی، ان سب کا مقصد رفع حرج ہے۔ یہ ایک نص قطعی سے ثابت ہوا ہے، جسکی تاویل بھی ممکن ہے یوں ممکن ہے کہ اس وہ مقصد رفع حرج سے نکل جائے لیکن کئی آیات کے اِستقراء سے پتا چلتا ہے کہ رفع حرج مقصد شرعی ہے۔ اس طرح اِستقراء کی نتیجے میں یہ آیات ظنیت سے قطعیت کی طرف تبدیل ہو جاتی ہیں۔[16]

اِستقراء کی دو اقسام:

اِستقراء کی دو قسمیں ہیں: 1) اِستقراء تام 2) استقراء ناقص

استقراء تام میں تمام جزئیات کا حصہ کر کے نتیجہ کلیہ تک پہنچا جاتا ہے فائدہ قطعی یقینی ہوتا ہے۔ جبکہ استقراء ناقص میں غالب جزئیات کا حصہ کیا جاتا ہے جو کہ فائدہ ظنیہ دیتا ہے۔ چنانچہ غزالی المستصفیٰ میں اِستقراء تام کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ: ''اَلاِستِقرَاءُ التَّامِ حُجَّۃ ، وَھُوَ یُفِیدُ القَطعَ وَالیَقِینَ، وَ النَّاقِصِ یُفِیدُ الظَّنِّ وَھُوَ یُصلِحُ فِی الفِقھِیات لَا القَطعِیاتِ''[17]

یہاں استقراء تام کا مفہوم '' اغلبیت '' نصوص سے مقصد معین حاصل کرنا ہے۔ جبکہ استقراء ناقص کے ذریعے مقاصد شارع کی معرفت حاصل نہیں ہوتی۔

اِستقراء ایک فن:

عام طور پر اِستقراء کو بہت سادہ اور عام سی چیز سمجھ کر اس کی اہمیت کا اندازہ نہیں کیا جاتا اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ اِستقراء سے مراد محض جزئیات کو جمع کر کے فوراً کوئی حکم لگا دینا ہے۔ جو کہ ظاہر کہ بہت آسان بات محسوس ہوتی ہے۔ حقیقت میں ایسا نہیں ہے بلکہ اِستقراء میں نہ صرف تمام، یا غالب جزئیات کو جانچ کر اکٹھا کیا جاتا ہے بلکہ ان جزئیات میں آپس میں ملتی جلتی اور مشابہت رکھنے والی نیز مختلف جزئیات کو الگ چھانٹا جاتا ہے، ان میں عمومیت کی خصوصیات کی حامل کو الگ کیا جاتا ہے اور استثنائی خصوصیات والی کو الگ رکھا جاتا ہے، پھر ان کا موازنہ کیا جاتا ہے۔[18]

ثابت ہوا کہ استقراء دراصل وہ نظر ہے جو تمام جزئیات کا احاطہ کر کے اس پر گہری نظر ڈالتی اور یہ معرفت کی نظر ہوتی ہے اور کوئی

عام نظر نہیں ہوتی جو منطق کی طرح محض عقل کے بل بوتے اور مقدمہ کبری مسلمہ[49] کا استعمال کرتے ہوئے فیصلہ کر دے اور اس کی صداقت بھی نہ جانچے۔ اصولی اختلافات میں سے اکثر ایک گروہ کے تصورات کلیہ دوسری فکر رکھنے والوں کے تصورات کلیہ کے بالمقابل سمجھے جاتے ہیں، اگرچہ ان دونوں کے تصوراتِ جزئیات میں اتفاق ہوتا ہے۔ اس موقع پر ہمیں استقراء کے ذریعے عقل استدلالی کا صحیح تعارف حاصل ہوتا ہے۔

استقراء کے ذریعے ناظر کے سامنے پوری شریعت موجود ہوتی ہے اور وہ اس کی پوری عمارت کا کلی اور بغور مطالعہ کرتا ہے، نتیجۃً اسے شریعت کے کلی مقاصد کی جان پہچان حاصل ہوتی ہے۔ یقیناً استقراء کشفِ مقاصد شریعت کے طریقوں میں سے ایک اہم طریقہ ہے۔

مقاصد کی تعیین میں استقراء کا کردار:

ابو اسحاق ابراھیم بن موسیٰ بن محمد اللخمی الشاطبی الغرناطی (720-790ھ / 1320-1388م)[20] نے استقراء کو مقاصد شریعت کی تعیین کے اہم طریقوں میں شمار کیا ہے۔ بسا اوقات کسی عالم کو نصوصِ شریعت میں کسی موضوع سے متعلق کچھ اشارات ملتے ہیں، لیکن ان میں سے کوئی بھی اشارہ اس موضوع پر فیصلہ کن نہیں ہوتا۔ جن نصوص میں یہ اشارے ملتے ہیں ان سب کو جمع کر لیا جائے تو جمع شدہ مجموعے سے حاصل ہونے والے مفہوم میں شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ دوسرے لفظوں میں کوئی فقیہ متعلقہ عبارتوں کے کلی و مجموعی مطالعے کے ذریعے کسی یقینی نتیجہ تک پہنچ سکتا ہے۔ اس بات کی وضاحت میں شاطبی نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں کسی ایک مقام پر بھی براہ راست یہ وضاحت نہیں ملتی کہ شریعت کا مقصد انسانوں کی مصالح ہیں۔ اس کے باوجود بھی یہ کہنا یقینی ہے۔ اس میں شبہ تک نہیں کیا جاسکتا۔ ہمیں اس حقیقت کا علم نصوص شریعت کے مجموعی مطالعے سے ملتا ہے۔[21]

شاطبی کا کہنا ہے کہ مصالح کو ان کے وسیع ترین معانی میں اس طرح سمجھنا چاہیے کہ اس میں دنیوی زندگی اور اخروی زندگی کی تمام مصالح، فرد اور معاشرہ کی تمام مصالح، تمام مادی، نفسیاتی اور روحانی مصالح نیز قلیل مدت مصالح اور طویل مدت مصالح سب شامل ہوتی ہیں۔ مصالح کے اس وسیع تصور کی طرح مفاسد اور اس کا تصور بھی وسیع ہے۔ مصالح اور منافع کا ادراک ہمیشہ ذہن انسانی کے بل بوتے پر نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے لیے وحی ربانی کی راہ نمائی بھی ضروری ہے۔[22]

مقاصد کی تین معروف قسموں: ضروریات، حاجیات، تحسینیات اور شارع کی جانب سے ان میں دی گئی رخصتیں ایسے امور ہیں جن تک علماء نصوص کے استقراء کے ذریعے ہی پہنچے ہیں، اس لیے کہ کوئی بھی نص شریعت، مقاصد کی اس محولہ بالا تقسیم کو معتبر ماننے کیلئے نہیں کہتی۔ اس کی ایک اور مثال یہ ہے کہ کسی عبادت کے درست ہونے یا نہ ہونے میں اجتہاد نہیں کیا جاسکتا۔ اس حکم شرعی تک رسائی بھی ایک استقرائی قاعدہ ہے جس تک رسائی اس موضوع پر موجود دلائل تفصیلیہ کے مجموعی مطالعے سے ہوتی ہے۔ اس موضوع پر کوئی صریح نص موجود نہیں ہے۔[23] نصوص شریعت کے استقراء سے علماء کی رسائی ضروریات خمسہ: دین، جان، عقل، نسل اور مال کی حفاظت تک ہوئی۔ اس حوالے سے کوئی قطعی شرعی حکم موجود نہیں۔

استقرائی طریق نہ صرف اہداف و اقدار کی تعیین میں کارگر ہے بلکہ یہ اوامر و نواہی کے باب میں بھی کارگر ہے۔ اوامر و نواہی میں

بعض واوقات صریح نص موجود ہوتی ہے اور کبھی ان کا علم پس منظر کے متعدد نصوص کے مجموعی فہم کا نتیجہ ہوتا ہے۔[24]

استقراء احکام شریعت کے استنباط کے متعدد طرق میں سے ایک اہم طریقہ ہے۔شاطبی نے اپنے نظریہ مقاصد میں اسے بیان کیا ہے۔اس نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ استقراء کے ذریعے حاصل ہونے والے احکام اور قواعد شریعت کے بنیادی اہداف ہوتے ہیں، ان کا مقام و مرتبہ براہ راست نصوص میں موجود احکام سے زیادہ ہوتا ہے۔

خلاصہ بحث:

اس مقالے سے یہ پتا چلتا ہے کہ استقراء سے مسلمانوں اور غیر مسلموں نے تقریبا ہر عہد میں کام لیا ہے۔اگرچہ موضوع اور میدان کے لحاظ سے اس کی اصطلاحی تعریفوں میں واضح فرق بھی موجود ہے۔اسی لیے محض استقراء کہہ دینے سے بات واضح نہیں ہوتی بلکہ یہ جاننا بھی اہمیت رکھتا ہے کہ اس پر کس شعبہ و مضمون کے اعتبار سے بحث کی جارہی ہے۔اصول تحقیق میں استقراء، استنباط کے برعکس ایک تحقیقی طریقہء کار رہے۔اس میں جزء سے کل کی طرف سفر کیا جاتا ہے۔پہلے مختلف مقامات پر موجود منتشر اجزاء کو جمع کیا جاتا ہے۔جزء کی معلومات کا الگ الگ مشاہدہ کیا جاتا ہے پھر انہیں کسی ایک نکتے پر آپس میں جوڑا جاتا ہے۔یہ عمل بار بار کیا جاتا ہے جس کے نتیجے میں ایک کلی نظریہ تشکیل پاتا ہے جو پہلے موجود نہ تھا یا جس کی طرف اذہان سادہ طریقے سے نہیں پہنچ سکتے تھے۔سادہ اجزاء سے اوپر اٹھ کر یہ طریقہ تحقیق، تکمیل اور پیچیدگی کی جانب سفر کرتا چلا جاتا ہے۔استنباط میں ایک بڑی تصویر پہلے سے موجود ہوتی ہے۔اس کو چھوٹا چھوٹا کر کے الگ الگ جزوی مطالعہ کیا جاتا ہے اور اس میں موجود حقائق کو سمجھا جاتا ہے۔منطق میں استقراء جزئیات کے تتبع سے کلی نتیجہ تک پہنچنا ہوتا ہے، تاہم اس میں حاصل ہونے والے نتیجہ کی سچائی کا سوال نہیں کیا جاتا بلکہ محض ارسطو کے طریقہ قیاس کے مطابق جس بات کو ثابت کرنا ہو اس کیلئے دو مقدمات کبریٰ اور صغریٰ پیش کیے جاتے ہیں۔مخاطب جب کبریٰ کو مان لے تو صغریٰ کو ماننا اس کے لیے آسان ہوتا ہے اور ان دونوں کے ملاپ سے ایک نتیجہ رونما ہوتا ہے اور چونکہ وہ پہلے ہی ان کو مان گیا ہو تو نتیجہ کو بھی مان لیتا ہے۔یہ طریقہ بحث و مباحثہ میں جیتنے کیلئے اور مناظرہ کیلئے کارگر ہے لیکن ان سے حاصل ہونے والے نتیجے کی سچائی مشکوک ہو سکتی ہے۔اب جہاں تک اسلامی شریعت اور اصول فقہ کی بات ہے تو یہاں سچائی کا معیار وحی سے مطابقت ہے۔نصوص قرآن و سنت کی وضاحت اس طرح کرنا کہ وہ شارع کی مراد کے مطابق اور ہر زمانے میں شریعت کی بالادستی اور حقانیت کو بیان کرے ایک اہم اور ضروری ہدف ہے۔سادہ الفاظ میں کسی امر کے بارے میں صریح حکم کی موجودگی، اشارتا حکم کی موجودگی کو سمجھنا اور حکم کے کلی فہم کو اس کی تمام نصوص کی روشنی میں سمجھنا، شریعت کی حقانیت اور مقاصد کو بیان کرنے کیلئے لازم ہے۔استقرائی طریق کو امام شاطبی نے مقاصد شریعت کی تعیین اور پہچان کے طریقوں میں سے ایک اہم طریقہ قرار دیا ہے۔اس میں وحی اور عقل دونوں کے امتزاج سے مقاصد شریعت کی پہچان کی جاتی ہے جو یقیناوقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔

حواشی وحوالہ جات

[1] الفیومی، علامہ احمد بن محمد بن علی المقری(770ھ)، المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر للرافعی، تحقیق ڈاکٹر عبدالعظیم الشناوی، استاد نحو و صرف جامعہ الأزہر۔ط۲۔ قاہرہ: دار المعارف، بیروت: المکتبۃ العلمیۃ، ت۔ن۔(قرأ)، ج2، ص502

[2]ارسطو، منطق أرسطو لأرسطو، محقق ڈاکٹر عبد الرحمٰن بدوی، دار القلم، بیروت، وکالۃ المطبوعات، 1980م، ط1، ج2، ص508

[3] retrieved From Dedind<https:// social researchmethod.net

[4]دیکھیے: لی بان، گستاؤ، تمدن عرب، مترجم سید علی بلگرامی، مقبول اکیڈمی، 1960ء

[5]Cited through Tim Nordgren,17.5.98www.thingsrevealed.net (Hugh G. Dick (ed.)Selected writings of francis Bacon.(New York:Modern Library,1955)

[6]دیکھیے: Dedind<https:// social researchmethod.net

[7]المکتبۃ الشاملۃ الحدیثۃ، http://al-maktaba.org؛ ابن سینا، الاشارات والتنبیہات، محقق ڈاکٹر سلیمان الدنیا، قاہرہ، دار المعارف 1960ء، ج1، ص418

[8]غزالی، ابو حامد، معیار العلم فی فن منطق، دار الکتب العلمیۃ، 1310ھ، 1990ء، ص148

[9] John-…<wiki<https://en.m.www.wikipedia.org

[10]ابن الھیثم، الحسن بن الحسن (965-1038ء) کی کنیت ابو علی تھی۔ اصل میں بصرہ کا باشندہ تھا پھر مصر منتقل ہو گیا اور زندگی کے آخری ایام تک وہیں رہا اور وہیں وفات پائی۔ وہ ایک ذہین ترین شخص، متعدد علوم کا ماہر اور ایک ممتاز ریاضی دان تھا۔ اپنے زمانے کا کوئی ریاضی دان اس کے ہم پلہ نہیں تھا۔ وہ ہمیشہ علمی و تحقیقی و تصنیفی مصروفیات میں رہتا۔۔ وہ نیکیوں سے رغبت رکھنے والا ایک زاہد شخص تھا۔ اس نے ارسطو اور جالینوس کی کتب کی تلخیص کی۔ اسے اصول طب اور اس کے قوانین کی گہری معرفت حاصل تھی۔ علم بصریات میں نئے نئے اکتشافات اس کی پہچان ہیں۔ بصارت عین کی کیفیات اور روشنی کی حرکات پر مفید تحقیقات اور معلومات پہنچائیں۔ وفات 430ھ قاہرہ میں ہوئی۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: الوافی بالوفیات، ج4، ص129؛ الاعلام: ج6 ص83

[11]ابن الھیثم، المناظر، ج2، ص1

[12]"سبر و تقسیم" کا مفہوم یہ ہے کہ کسی حکم کی اصل میں موجود تمام احتمالات کو گنتی کر کے، سامنے رکھا جائے، جن میں سے کوئی بھی اس حکم کی علت ہو سکتا ہے۔ پھر دلیل کے ساتھ اس احتمال کو رد کرنا جو اس کی علت نہیں بن سکتا۔ آخر میں جو بچ جائے وہی اس حکم کی علت ہو گا۔ مثلا: ایک مجتہد کہے کہ گندم میں "ربا" کی حرمت کی علت ثابت شدہ ہے۔ اس کی علت یا تو اس کا بطور مکیل (پیمانہ) ہونا ہے، یا اس کا قوت (لقمہ عیش) ہونا ہے، یا اس کا مطعوم ہونا ہے، یا اس کا وقت حاجت کیلئے بچا کر رکھنا ہے یا اس کا موزون (وزن کے حساب سے خرید و فروخت) ہونا ہے، یا اس کا مال ہونا ہے یہ تمام احتمالات "تقسیم" کہلاتے ہیں۔ اسکے بعد ان تمام علل پر" سبر" کا عمل کیا جائے گا۔ سبر سے مراد امتحان لینا ہے۔ اس امتحان میں جو علل بھی صحیح نہ پائی جاپئں انہیں ترک کر دیا جائے گا۔ سبر و تقسیم کی ایک اور مثال یہ نکاح میں ولایت اجبار کی ہے۔ اگر مجتہد کہے کہ ولایت اجبار ولی کا حق ہے تو یا اس کی وجہ صغر سنی ہو گی یا بکارت (کنوار پن) ہو گا۔ یہ وجوہات بیان کرنا "تقسیم" کا عمل ہے۔ اب علل پر "سبر" کا عمل کیا جائے گا۔ تو مجتہد کہے گا کہ صغر سنی پر ولایت اجبار باطل ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو یہ ثیب صغیرہ پر بھی کار آمد ہوتی جبکہ ان دونوں کی علت صغر سنی ہے اور یہ رسول اکرم ﷺ کے فرمان کے مخالف ہے آپ کا فرمان ہے: "الثیب احق بنفسھا"۔ یہ فرمان ہر ثیب صغیرہ ہو یا کبیرہ دونوں کیلئے عام ہے۔ اب دوسری علت یعنی بکارت کی باقی رہ جاتی ہے۔ اسے سبر کہا جاتا ہے۔

[13]نص کا لغوی معنی رفع، کشف اور اظہار ہے۔ اصطلاحا اصولیوں کے ہاں اس کے متعدد معانی ہیں۔ متقدمین کے ہاں اس کے معانی کا دائرہ تنگ تھا جو بعد میں وسیع ہوتا گیا۔ امام شافعی کی رائے میں "نص" اور" ظاہر" دونوں کا ایک معنی ہے۔ ان کے بعد نص کی تعریف میں دو طرح کے نقطہ نظر سامنے آتے ہیں: پہلی: نص سے مراد وہ لفظ ہے جو خود ہی ایسے معنی کا فائدہ دے جس میں کوئی احتمال نہ ہو۔ (روضۃ الناظر، ج2، ص31-32)۔ دوسری: غزالی کی تعریف نص میں موجود ہے۔ ان کے مطابق نص سے مراد وہ لفظ ہے جو خود اپنے معنی دے اور اس مین کوئی ایسا احتمال نہ ہو جو دلیل سے پیدا ہوا ہو۔ نص کی دوسری تعریف اصولیین کے ہاں راجح ہے۔ نص وہ ہے جس کی وضاحت کسی ظاہر قرینہ سے ہو جو بولنے والے کے الفاظ میں موجود ہو۔ اس قرینہ کے بغیر بولنے والے کے ظاہر الفاظ سے معنی نہ سمجھے جاسکتے ہوں۔ (اصول سرخسی۔ ج

1، ص164) نص کے اطلاقات: 1۔ نص وہ ہے جو تاویل قبول نہ کرے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: (تلك عشرة كاملة) اس میں لفظ عشرہ کوئی دوسرا احتمال قبول نہیں کرتا۔ 2۔ جیسا کہ مختصر التحریر میں ہے نص وہ ہے جس میں ظاہر کی طرح احتمال ہو اور وہ احتمال مرجوح ہو (ج۲ ص۱۷۴)۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔ (فامسحوا برؤوسکم و ارجلکم) اس میں ظاہراتو سر کی طرح پاؤں کے مسح کے فرض ہونے کا احتمال اور غسل کا احتمال بھی موجود ہے، چنانچہ غسل کا احتمال، جبکہ اس پر دلیل بھی موجود ہو، نص کہلاتی ہے۔ نص سے مراد کتاب و سنت ہیں۔ فقہاء کے ہاں، دلیل یا تو "نص" ہوتی ہے یا پھر " معقول" ہوتی ہے۔ فقہاء کی تعریف اصولیوں کی بنسبت عام ہے اس میں "نص، مفسر، محکم اور ظاہر شامل" ہیں۔ 4۔ قیاس کے باب میں نص" ایماء" کے مقابلے میں استعمال ہوتی ہے۔ نص کا دائرہ جب وسیع ہوتا ہے تو یہ صرف لغوی دلیل نہیں رہتا۔ لفظ کے سیاق کے مطابق ملاحظہ کئی معانی کا احتمال ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں قرائن سے مدد لیجاتی ہے۔ یوں بہت سے احتمالات رفع ہوجاتے ہیں اور اب یہ لفظ "نص" کے معنیٰ میں بلند ہوجاتا ہے۔ (دیکھیے: النص عند الاصولیین، ریاض العلم)

play-17750<www.riyadhalelm.com. Retrieved on 27th june 2018

[14] فروع فقہ میں "مزابنہ" کا تعلق معاملات سے ہے۔ حدیث میں دو طرح کے پھلوں: کھجور اور انگور کی فروخت میں مزابنہ کی صورت بیان ہوئی ہے۔ خشک کھجور کے بدلے میں تر کھجور بیچنا اسی طرح خشک انگور یعنی منقیٰ کے بدلے میں انگور کی فروخت ہے۔ یہ شرعاً حرام ہے۔ (دیکھیے: صحیح البخاری، کتاب البیوع ،باب بیع المزابنة، جزء رقم 2)

[15] غرر: تجارت میں دھوکہ دہی کو بیع غرر کہتے ہیں۔

[16] بحوالہ بداية القاصد الى علم المقاصد، ت ن، م ن، ص17-18

[17] غزالی، ابوحامد، المستصفیٰ فی اصول الفقه، ج1، ص161

[18] دیکھیے: تصحيح مفاهيم وتكوين رؤى، كيف تعرف مقاصد الشرع :

https://afaqmostaqbal.wordpress.com/2011/11/24%d9%83%d9%81%...

[19] ارسطو کے فلسفے کی اہم دریافت، اس کا مذہب "قیاس" تھا۔ قیاس وہ منطقی دلیل ہے جس میں تین اجزاء ہوتے ہیں: 1 مقدمہ کبریٰ، 2 مقدمہ صغریٰ اور 3 نتیجہ۔ ارسطو نے اپنے طلبہ کو سمجھانے کے لیے یہ مثال پیش کی کہ: الف) ہر انسان فانی ہے۔ مقدمہ کبریٰ ہے۔ ب) سقراط انسان ہے یہ مقدمہ صغریٰ ہے۔ ج) تو نتیجہ سقراط فانی ہے۔ ہر انسان فانی ہے یہ ایک مسلمہ اور بدیہی حقیقت ہے اسی لیے اسے ارسطو نے مقدمہ کبریٰ کا نام دیا، تا کہ اسے کوئی انسان نہ جھٹلائے۔ دیکھیے: ابن نفیس، علاء الدین علی بن ابی الحزم ،شرح الوریقات فی المنطق، دار الکتب العلمیہ، 2015ء، ص7

Books<https://books.google.com.pk

[20] ابواسحاق ابراھیم بن موسیٰ بن محمد اللخمی الشاطبی مشہور محدث، فقیہ، لغوی اور جامع العلوم تھے۔ انہیں مجدد دین اسلام میں بھی شمار کیا جاتا ہے۔ مالکی المذہب تھے۔

[21] دیکھیے: الجوزیہ، ابن قیم، اعلام الموقعین عن رب العالمین؛ قرضاوی، ڈاکٹر یوسف، مدخل لدراسة الشريعة الإسلامية، بیروت: مؤسسة الرسالة، 1414ھ/1993ء

[22] دیکھیے: شاطبی، الموافقات فی اصول الشریعة، ج1، ص243؛ قرضاوی، مدخل، ص64-65

[23] دیکھیے: شاطبی، الموافقات، ج3، ص148

[24] ایضًا